JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

پروفیسر بشیر احمد سوز بحیثیتِ مترجم بادۂ ناب کے تناظر میں

Professor Bashir Ahmed Souz as aTranslator in the context of Badha e Nab.

ا۔ حسنین خان سواتی

پی ایچ۔ڈی سکالر شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

۲۔ علی شیر

پی ایچ۔ڈی سکالر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

۳۔ شازیہ زمان

پی ایچ۔ڈی سکالر شعبہ اردو نادرن یونیورسٹی

Abstract:

Badah e Nab is a translation of Mir Wliullah's Persian Rubaiyat. Professor Bashir Ahmed Suz translated these Rabiyats from Persian to Urdu and published them under the name of Bada e Nab. Mir Wliullah was the only writer of Hazara with whom Allama Muhammad Iqbal had deep respect. And his father Maulvi Sultan Mir was the spirit of Anjuman Islamia. On his invitation, Allama Muhammad Iqbal read his thesis and poem Abar under the title of national life in the hall of Government High School Abbottabad. Prof. Bashir Ahmad Souz, while presenting the review of Mir Wliullah's poetry, has proved that Mir Wliullah is among the most reliable poets of the twentieth century. Prof. Bashir Ahmad Souz translated the Persian language into Urdu with great skill. And also made a conscious effort to access the original meaning.

Keywords: *Mir Wliullah, Poet, Writer, Persian, Urdu, Translation, Rubaiyat, Bada e Nab, Hazara, Abbottabad.*

.بادہ ناب میر ولی اللہ کی تحریر کردہ فارسی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ جس کو پروفیسر بشیر احمد سوز نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ میر ولی اللہ ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سلطان میر موجودہ ہائی سکول نمبر 2 ایبٹ آباد میں فارسی کے استاد تھے جو عالم دین اور شاعر بھی تھے مولوی سلطان میر کی علامہ اقبال سے قلم دوستی رسالہ مخزن سے ہوئی تھی۔ کیونکہ مولوی صاحب اور علامہ کی منظومات اس زمانے میں مخزن میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ مولوی سلطان کے فرزند میر ولی اللہ ابتداء میں اپنے والد کے چشمہ علم و فضل سے فیض یاب ہوتے رہے۔ عربی فارسی اور علوم دینیہ کی تربیت میں ان کے والد کی مساعی کا بڑا ہاتھ تھا ابھی انہوں نے شباب کی دہلیز پر قدم رکھا تھا کہ علامہ اقبال کی صحبتیں نصیب ہونے لگیں یہ 1904ء کا زمانہ تھا جب علامہ اقبال ایبٹ آباد آئے اور کم و بیش ایک ماہ تک یہاں قیام کیا کچھ عرصہ بعد میر ولی اللہ کو اعلی تعلیم کے لیے لاہور بھیج دیا گیا وہاں ان سے علامہ کے روابط زیادہ گہرے اور مستحکم ہوتے چلے گئے۔ میر ولی اللہ نے ایف سی کالج لاہور سے انٹر میڈیٹ اور ۱۹۱۰ء میں بی اے اور لاء کالج سے ۱۹۱۲ءمیں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ حصول تعلیم کے بعد یہ ایبٹ آباد چلے آئے اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا جو ۱۹۵۰ء تک جاری رہا یہ اپنی ذہانت اور قابلیت کی بنا پر جلد ہی ایبٹ آباد کے وکلاء میں منفرد اور ممتاز نظر آنے لگے ہزارہ کے قانون دانوں میں ان کو وہ معتبر مقام ملا کہ مسلسل 25 سال تک آپ بار ایسوسی ایشن کے بلامقابلہ صدر منتخب ہوتے رہے ۱۹۵۰ء میں ان کو لاء کالج پشاور کے پرنسپل کے عہدے پر فائز کیا گیا جہاں 1954ءتک اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس سارے زمانے میں تحقیق کا سلسلہ جاری رہا۔ بشیر احمد سوز اپنی کتاب "مشاہیر ادبیات ہزارہ میں میر ولی اللہ کے بارے میں لکھتے ہے:

> ”شعر گوئی کے وصف تو بچپن سے ہی نمایاں تھے میر ولی اللہ خود اپنی پرائمری تعلیم کے دوران کہی گئی منظومات کا تذکرہ کرتے ہیں آپ فارسی اور اردو کے بلند شاعر تھے۔ بحثیت محقق، انتقاد، ادیب اس زمانے میں ہزارہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا۔“(ا)

موصوف نے وکالت کے ساتھ اپنی عملی و ادبی سرگرمیاں یوں جاری رکھیں کہ ان میں کہیں بھی کج پڑتا دکھائی نہیں دیتا۔ میر ولی اللہ کو شعر گوئی ورثے میں ملی تھی کیونکہ ان کے والد بھی فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اگرچہ ان کا مجموعہ شائع نہ ہو سکا مگر ان کی منظومات پر مشتمل کتابچے چھپتے ہی رہے۔ جس زمانے میں میر ولی

اللہ شباب کی منزلیں طے کر رہے تھے علامہ اقبال کی شاعری کا غلغلہ پورے ہندوستان میں تھا۔ ۱۹۰۴ء میں اقبال کی ایبٹ آباد آمد اور قیام نے ایبٹ آباد کی ادبی فضاوں میں ایسے رنگ بھر دیئے کہ رفتہ رفتہ شہر سبزہ و گل کا گہوارہ بنتا چلا گیا۔ انجمن اسلامیہ جس کے روح رواں مولوی سلطان میر تھے ان کی دعوت پر علامہ اقبال نے نمبر ۲ ہائی سکول ایبٹ آباد کے ہال میں قومی زندگی کے عنوان سے مقالہ پڑھا اور ایبٹ آباد میں نظم ابر کہی۔ میر ولی اللہ کے وجود میں مضطرب شاعر اور ادیب کو منظر عام پر لانے میں اقبال کے تجربہ علمی اور معجزات شعر کا پرتو ہی کافی تھا گویا ایک چشمہ جو زیر زمین تھا ابل پڑا اور دانائے ادب مثل آب زم زم مسلمانوں کی فکری بالیدگی کا زریعہ بنتا چلا گیا۔ بیسویں صدی میں سرزمین ہزارہ سے جو مقتدر عملی ادبی شخصیات نے قرطاس وقت پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں میر ولی اللہ، ڈاکٹر سید عبد اللہ اور قتیل شفائی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ میر ولی اللہ ابھی قانون کے طالب علم ہی تھے کہ علامہ اقبال سے ان کے گہرے روابط قائم ہو چکے تھے۔ وہ اکثر ان کے ہاں تشریف لے جاتے۔ علامہ میر صاحب کی علمیت اور نکتہ سنج طبیعت کی بنا پر ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میر ولی اللہ نے جب حافظ کے کلام کی رح لکھ کر علامہ کو پیش کی تو انہوں نے ایک خط میں اس شرح کی تعریف ان الفاظ میں کی:

> "آپ نے لسان الغیب نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے لکھی ہے اور آپ کی تلاش ہر ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے کے نزدیک قابل داد ہے، آپ کا اسلوب بیان سلیس اور دلکش ہے، اور بوجہ اس عبور کے جو آپ کو فارسی اور عام لٹریچر پر حاصل ہے، جو اشعار اساتذہ کے آپ نے جابجا درج کئے ہیں ان سے کتاب کی دلچسپی اور اس کی ادبی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔" (۲)

مذکورہ بیان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ میر ولی اللہ کس ادبی قد کاٹھ کے مالک تھے۔ ایسی نابغہ روزگار شخصیات پر اہل نظر جتنا فخر کریں کم ہے۔ میر ولی اللہ کے کمالات شعر و ادب یوں نمایاں ہوتے چلے گئے جیسے یکبارگی ہمالہ سے چشمے پھوٹ پڑے ہوں اور چشمہ علم و آگہی فہم و ادراک اور قدرت زبان و بیان کے وصفوں سے لبریز ادب کے گلزاروں اور رہگزاروں کو سیراب کرتا چلا جاتا تھا۔ جس سے مٹھاس لسان الغیب رومی، کاس الکرم، گلبانگ، بادہ ناب، نمکدان فصاحت ماہ پروین اور خالق عظیم کے علاوہ بندگی اور ان کی دوسری تخلیقات بھی نمایاں ہوتی چلی گئی۔ میر ولی اللہ کی ان تصانیف نے انہیں ہندوستان کے طول و عرض میں ایسا معتبر بنا دیا کہ آج بھی برصغیر کے گوشے گوشے سے ان کے عظمت قلم کی بازگشت سنائی دیتی ہے اقبال نے ایبٹ آباد کے جس نوجوان کی صلاحیتوں کا ذکر کیا تھا وہ واقعی سچ ثابت ہوئیں۔ الغرض میر ولی اللہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے جن پر اہل ہزارہ ہی نہیں پوری دنیا کے علم و ادب کو بجا طور پر ناز ہے لسان الغیب کی اولین اشاعت میں علامہ اقبال کا تبصرہ جو ایک خط کی صورت میں ہے۔ میر کے علمی تفاخر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بادہ ناب کا تعارف

یہ کتاب میر ولی اللہ کی فارسی رباعیات کا مجموعہ ہے جس میں ۲۸۶ رباعیات ہیں۔ یہ مجموعہ 1926ء میں منظر عام پر آیا۔ ان رباعیات میں مغربی تہذیب پر تنقید، تصوف کے موضوعات اور مدعیاں تصوف کی مشرکانہ حرکات کی تردید اور مسلمانوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا اور قرآن کے اصولوں کی پیروی کی ترغیب دینا ہے۔ پروفیسر ہزارہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سہیل شہزاد "بادہ ناب" کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہیں جس کو شکیل احمد اپنے مقالہ میں اس طرح لکھتے کرتے ہیں:

> "بشیر احمد سوز نے میر ولی اللہ کی شاعری کا جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ میر ولی اللہ بیسویں صدی کے معتبر شعراء کی صف میں شامل نظر آتے ہیں۔ امید ہے کہ پروفیسر صاحب کی یہ تالیف ادبیات پاکستان میں ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہوگی۔" (۳)

میر ولی اللہ نے بادہ ناب میں جابجا مسلمانوں کی ناتوانی کی جہاں اور کئی وجوہات گنوائی ہیں وہاں اس بنیادی نکتے کو صاف الفاظ میں بیان کیا کہ مسلمان کتاب ہدایت اور تعلیمات محمدیؐ سے غافل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس طرح وہ زندگی کی صحیح تعمیر کے لئے قرآن پاک کی تعلیمات کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ شاعر مسلمانوں کو بے بس اور مجبور دیکھ کر انہیں حوصلہ دیتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو پہچانے۔ البتہ وہ مسلمانوں کو عیش پرستی کی فسوں کاریوں سے بچنے کی تلقین بھی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دنیا آزادی کے حصول کے لئے طاغوتی قوتوں سے برسرپیکار ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

میر ولی اللہ بادہ ناب میں جابجا مسلمانوں کی معاشرتی، اخلاقی و تہذی اور مذہبی اصلاح و فلاح کو موضوع بناتے نظر آتے ہیں ان کے متفرق مضامین کی خطابت کو یکجا کرنے سے ایک ایسی لڑی بن جاتی ہے جس کے ہر موتی کی آب و تاب میں ملت اسلامیہ (مسلمانان ہند) سے دردمندی اور دل بستگی مضمر ہے۔ محمد علی جوہر، حسرت، علامہ اقبال، مولانا ظفر، حفیظ جالندھری اور کئی شاعر وادیب علماء اور رہنماہندوستان میں مسلمانوں کی اہمیت اور غیرت کو بیدار کرنے اور اپنی منزل کی طرف گامزن کرنے کے لئے ہمہ تن نظر آتے ہیں۔ میر ولی اللہ جہاں علی گڑھ تحریک کے علماء سے متاثر تھے حالی اور اکبر کی قومی شاعری ان کی روح کو متلاطم کئے ہوئے تھی۔ وہاں اقبال کے قومی جذبوں کی دھنک ابتدا ہی سے ان کی شخصیت و فن کا حصہ بن چکی تھی کیونکہ ان کے والد سلطان میر کی وساطت سے میر ولی اللہ کو اقبال کی قربت ہی نصیب نہیں رہی بلکہ ان کے فکر و فلسفہ اور پیام کی روح تک رسائی حاصل ہو چکی تھی۔

بادہ ناب کی رباعیات میں اگرچہ متنوع مضامین نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے تانے بانے اخلاقیات، حکمت و دانائی اور معاشرتی اصلاح کے رگ وریشہ سے جڑے ہوئے ہیں۔ گویا مسلمانوں کی فلاح کے لئے وہ نوع نوع کے مضامین تراشتے ہیں جن کا منبع ان کی دردمندی سے پھوٹتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی نغمگی (شاعری) کو اپنے دل کو بھلانے کا سامان نہیں سمجھتے بلکہ اسے قوم کو بیدار کرنے اور ان کی اصلاح کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میر ولی اللہ زندگی میں پستی اور بلندی کا رونا نہیں رونا چاہیے۔ کوئی بھی رنگ ایک حال میں نہیں ہوتا گلاب کے سرخ پھولوں کے ساتھ ٹہنی پر سبز پتے بھی اس کے ہمنشین ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان لوگوں کے ساتھ بھی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ جن سے کسی طرح کی بھی ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

بشیر احمد سوز کی ترجمہ نگاری

فارسی جیسی مشکل زبان کو بشیر احمد سوز نے ترجمہ کرتے ہوئے اتنا سادہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ترجمہ بشیر احمد سوز نہیں بلکہ خود میر ولی اللہ ایبٹ آبادی نے اس فارسی کلام کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ بشیر احمد سوز نے قاری کے دل کی بات کی ہے اور بحیثیت مترجم دیکھا جائے تو ہمیں ان کے ترجمہ میں مندرجہ ذیل خوبیاں نظر آتی ہیں۔ بعض مترجمین جب ترجمہ نگاری پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنے علمی و ادبی مقام کو "ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ثقیل و بھاری الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو نا صرف عام طبقے کے لیے مشکل ہوتے ہیں۔ بلکہ خواص میں بھی بعض لوگوں کو لغات اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس بشیر احمد سوز کے تراجمے میں یہ تمام عیب موجود نہیں بشیر احمد سوز کا یہ ترجمہ اپنے اندر تشریحی انداز رکھتا ہے۔ وہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ وہ تشریح بھی کرتے جاتے ہیں:

گرد چین اندیشہ خار سے نکنی
از فرصت کم نالہ و زارے نکنی
درسعی وعمل کوش کہ چیزے نشوی
گر عمر حضر یابی و کارے نکنی

ترجمہ "اگر تو چاہتا ہے کہ چمن میں کانٹوں کی فکر نہ ہو اور رونے دھونے کا مرحلہ نہ آئے تو پھر کوشش اور عمل سے کام لے ورنہ اگر تجھے خضر بھی مل جائے تو بھی کچھ نہ بن پائے گا۔"(۴)

اس رباعی کے ترجمہ میں بشیر احمد سوز نے تشریحی انداز اپنایا اور شاعر کا اصل پیام قاری تک خوبصورت انداز میں پہنچا دیا ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ہی قاری کا ذہن اصل مفہوم کی طرف فوراً رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی ایک مثال بادہ ناب میں کئی جگہ میں ملتی ہے۔ پروفیسر بشیر احمد سوز بحیثیت مترجم ہر دو زبانوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ بادہ ناب کے حوالے سے دیکھا جائے تو کئی مثالیں ان کے ہاں ملتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بشیر احمد سوز فارسی زبان کی بناوٹ، گرامر اور ساخت پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہیں:

بقانون است سیر ماہ تاباں
بقانون است دور چرخ گرداں
نباشد ز ند گی بیرون قا نون

بقانون است ربط پیکر و جاں

ترجمہ "چاند کی گردش ایک قانون کے تابع ہے اور گردش افلاک بھی قانون ہی کی پابند ہے ضابطے اور قانون کے بغیر زندگی رہنا محال ہے۔ جسم وجاں کا رشتہ ایک قانون کے تحت ہے۔"(۵)

بشیر احمد سوز فارسی زبان پر مہارت رکھتے ہیں۔ یہ ان رباعیات کا ترجمہ اس انداز میں کرتے ہیں کہ ماہ، چرخ، نباشد، پیکر وجاں کا ترجمہ چاند افلاک، جسم وجاں کا رشتہ جیسے الفاظ استعمال کر کے رباعی میں جان ڈال دی۔ اس رباعی کے ترجمہ میں بشیر احمد سوز نے میر ولی اللہ کے سوالیہ انداز کو بخوبی برقرار رکھا ہے حالانکہ اکثر تراجم میں مترجم شاعر کے ایسے سوالیہ انداز کو نظر انداز کر دیتے ہیں، کیوں کہ شاعر کا انداز برقرار رکھنا اور ہر بات میں اس کا پابند رہنا مشکل ہوتا ہے۔ پروفیسر بشیر احمد سوز بحیثیت مترجم اگر دیکھا جائے تو زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ جس زبان سے ترجمہ ہو، یا جس میں ترجمہ کیا جارہا ہے دونوں پر مہارت رکھنا بشیر احمد سوز کا ذاتی کمال ہے۔ اور میر ولی اللہ کی فارسی رباعیات کو انہی جذبات کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں مثلا میر ولی اللہ کی اس رباعی کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

جہانہا باشد اندر ہر جہانے
بر آور زیں جہاں دیگر جہانے
اگر چشم خرد داری بہ بینی
جہانے در جہانے در جہانے

ترجمہ "ہر جہان کے اندر ایک اور جہان ہے تو اس جہان سے دوسرے جہان تخلیق کر۔ اگر تو عقل اور دانائی کی آنکھ سے دیکھے تو تجھے جہان در جہان دکھائی دیتے چلے جائیں گے۔"(۶)

مندرجہ بالا اقتباس کا ترجمہ اس بات کی دلیل ہے کہ بشیر احمد سوز نے فارسی رباعی کے اندر موجود جذباتی شدت کو ہو بہو انہی الفاظ کے ساتھ اردو میں بیان کیا ہے۔ اس بیانیے میں نہ تو لفظی ترجمہ نظر آتا ہے اور نہ ہی اصل سے دوری۔ یہ ایک مترجم کا فن ہے کہ وہ ترجمہ کیا جانے والی زبان کے الفاظ کے لیے کون سے ایسے مترادفات کا چناؤ کرتا ہے جو مکمل مفہوم ادا کریں اور جذباتی شدت بھی ساتھ ہی ساتھ منتقل ہو۔ یہ فن پروفیسر بشیر احمد سوز کے ہاں خوب ملتا ہے۔ اس کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

گلے دیدم بدست گلعزارے
فتم اے خوشا وقت تو بارے
گفتا خار زار شا خسارم
بسے خوشتر ز بازوئے نگارے

ترجمہ "ایک حسینہ کے ہاتھ میں ایک پھول دیکھ کر میں نے کہا کہ تو کتنا خوش بخت ہے لیکن وہ پھول گویا ہوا کہ میرے لیے وہ خار زار ٹہنی ان حسین دست وبازو سے بدر جہاں بہتر ہے۔"(۷)

بشیر احمد سوز کی زبان پر مہارت کا اندازہ اس ترانے سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں وہ ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں وہ فارسی تراکیب کو اردو میں اس حسن وخوبی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ جملے میں سموئے ہوئے یہ الفاظ بھی اردو کے الفاظ محسوس ہوتے ہیں۔ خار زاد ٹہنی دست وبازوار دو زبان پر قدرت اور فارسی سے اردو میں لسانی مہارت کا عمدہ ثبوت یہ ترجمہ ہے۔ اس رباعی کا ترجمہ بشیر احمد سوز کا فارسی زبان پر مکمل عبور کا ثبوت ہے کہ انہوں نے کتنے خوبصورت انداز میں فارسی الفاظ کو اردو الفاظ کا لباس پہنایا ہے جیسے یہ الفاظ اس رباعی کے لئے ہی بنے ہوں۔ بشیر احمد سوز کا ترجمہ اس رباعی میں لفظ بہ لفظ ہے لیکن ہر مصرعہ اپنی جگہ ایک تخلیق محسوس ہوتا ہے یہ بشیر سوز کا کمال ہے کہ فارسی کلام کو مہارت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا۔ جیسا کہ مترجم کے لئے یہ بات اہم ہے کہ وہ الفاظ کے استعمال پر توجہ دے۔ مناسب

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

الفاظ سے تحریر میں ادبی چاشنی اور لطافت پیدا کرے۔ چنانچہ ترجمہ کار جب کسی متن کا ترجمہ کرتا ہے تو اپنی زبان میں ایک ہی معنی و مفہوم کے حامل الفاظ میں سے مناسب اور موزوں الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جس سے ترجمہ زیادہ واضح اور فصیح و بلیغ محسوس ہوتا ہے۔ یہی انداز بشیر احمد سوز کے تراجم میں ملتا ہے۔

سوز کے ترجمہ کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اگر پہلے شاعر کی روح کو سمجھا ہے تو اس کی اس تخلیقی کیفیت کو اپنے اوپر طاری کر کے خوب ڈوب کر اس کے کلام کو اردو میں جگہ دی ہے۔ میر ولی اللہ کی بادہ ناب کا بشیر احمد سوز نے جب ترجمہ کیا ہے تو انہوں نے پہلے خود پر ایک ایک کیفیت طاری کی ہے کہ جیسے وہ کوئی کلام خود تخلیق کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا ترجمہ اصل کے قریب تر نظر آتا ہے بلکہ وہ ترجمہ کم اور تخلیق زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شاعری کی روحانی کیفیت کو خود پر طاری کر کے ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے فارسی کلام کو بڑی ہوشیاری اور چابکدستی سے اردو میں منتقل کیا ہے، بلکہ ان کا ترجمہ وحید گل کے اس کہنے کے عین مطابق ہے:

> ”فارسی کلام کا بڑی چابکدستی سے ترجمہ کرنا بڑے اساتذہ کا کام ہے۔ لیکن بشیر احمد سوز نے ”حلت سماع“ اور ”بادہ ناب “ کا اردو ترجمہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا شمار بھی اساتذہ میں ہوتا ہے۔ ان کے فارسی سے اردو میں یہ تراجم ان لوگوں کے لئے خاص تحفہ ہیں جو اقبال اور میر ولی اللہ جیسے درویشوں کو سیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔“(۸)

بشیر احمد سوز کا ترجمہ زیادہ تر اصل تخلیق کے قریب تر ہے۔ انہوں نے ترجمہ تو ضرور کیا ہے لیکن کا ملام پر اپنا رنگ چڑھا کر اصل خالق کو کم نہیں کیا۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ترجمہ اصل کلام کے اندر ہی ہے۔ اور اس پر ترجمہ کار کے ذاتی رنگ کی شعم کاری نہیں ہوئی۔ کلام دوسری زبان میں بھی منتقل ہو گیا ہے اور اصل خالق بھی نئی زبان میں اسی طرح زندہ ہے۔ سادگی اور ابلاغ تحریر کی بنیادی ضرورت ہیں۔ تحریر اگر سادہ اور عام فہم ہے تو اس کی کارآمدی زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ بشیر احمد سوز نے شاعر میر ولی اللہ ایبٹ آبادی کے سوالیہ انداز کو بخوبی بر قرار رکھا ہے۔ حالانکہ اکثر تراجم میں مترجم شاعر کے ایسے سوالیہ انداز کو بیانیہ انداز میں بدل دیتے ہیں، کیونکہ شاعر کا اپنا انداز بر قرار رکھنا اور ہر بات میں اس کا پاندر ہنا بہت مشکل ہوتا ہے پروفیسر بشیر احمد سوز نے بادہ ناب کے ترجمے میں اصل معنی تک رسائی کی شعوری کامیاب کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

(1) پروفیسر بشیر احمد سوز، ”مشاہیر ادبیات ہزارہ“ ۲۰۱۱ء، ص12

(2) میر ولی اللہ، ”بادہ ناب“ مترجم پروفیسر بشیر احمد سوز، ادبیات ہزارہ، ۲۰۰۹ء، ص1

(3) شکیل احمد، ”بشیر احمد سوز بحیثیت مترجم“ مقالہ ایم فل اردو، ہزارہ یونیورسٹی، ص85

(4) میر ولی اللہ، ”بادہ ناب“ مترجم پروفیسر بشیر احمد سوز، ادبیات ہزارہ، ۲۰۰۹ء، ص۴۶

(5) ایضاً، ص۲۵

(6) ایضاً، ص۲۲

(7) ایضاً، ص۲۶

(8) شکیل احمد، ”بشیر احمد سوز بحیثیت مترجم“ مقالہ ایم فل اردو، ہزارہ یونیورسٹی، ص۹۸